© rasailojaraid.com



# اقبالؒ کا انٹرویو

شورش کاشمیریؒ

ایک خوشگوار رات کو اقبالؒ اپنی تُربت سے نکلا۔ اپنی تربت پر خود ہی فاتحہ پڑھی۔ اور قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا، چپ چاپ اندر داخل ہو گیا، نشیب سے فراز کو جاتے ہوئے راستہ کی اکھڑی اکھڑی رنگت پر ایک جھلکتی نگاہ ڈالی "گویا دیواروں کی بیمار رنگت میں کوئی رُکی رُکی آواز کہہ رہی ہو۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

اقبالؒ نے دیوان عام سے پوچھا ____! کہو اس تغیر احوال سے تمہارا دل افسردہ تو نہیں معاً ایک ستون کو جنبش ہوئی اور وہ صرف اتنا کہہ کر چپ ہو گیا ____ ع

خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند!

اقبالؒ نے پوچھا! کیا مسلمانوں کی سلطنت کے لوٹ آنے پر بھی تمہارا ملال باقی ہے؟ اس پر بہت سے ستونوں میں کپکپاہٹ سی پیدا ہوئی۔ اور شاہی چبوترہ کے جھروکوں سے ہوا کے ایک جھونکے نے گزرتے ہوئے کہا ____ مسافر! جو لوگ اب سریر آرائے سلطنت ہیں۔ وہ ہمارے وارثوں کے جانشین نہیں۔ وہ افرنگیوں کی پس انداز کی ہوئی کھیپ ہیں۔

وجود ان کا سراپا تجلی افرنگ
کہ یہ وہاں کے عمارت گروں کی ہیں تعمیر
اور ان کا پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہیں یہ زرنگار و بے شمشیر

اقبالؒ کو بائیں طرف کچھ بیرکیں نظر آئیں، ایک دراز قامت سنتری بندوق تانے اِدھر اُدھر چپ راست کر رہا تھا۔ اقبالؒ نے چاہا 'اس سے کچھ پوچھے لیکن جب اسے پتہ چلا کہ کبھی اس کے زیریں حصے میں سیاسی اسیروں کی کھالیں کھچوائی جاتی تھیں اور اب بھی کبھی کبھار کچھ 'جستگانِ وفا' 'مزاج پُرسی کیلئے لائے جاتے ہیں۔ تو وہ ٹھٹھر سا گیا۔ غالباً Cell سے سلگتی ہوئی لَے اُبھر رہی تھی۔

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلک نے عطا کی ہے انہیں خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
میں جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے

اقبالؒ نے دیکھا۔ عالمگیری مسجد کی سیڑھیوں کے دائیں رخ ایک مٹی کا ڈھیر ہے۔ پنجاب کے ایک باجبروت وزیرِاعظم کی قبر، جس کا رنگ سفیدی سے اجلا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبالؒ رک گیا۔ فقیر نے چاہا۔ وزیر کی قبر پر ہاتھ اٹھائے لیکن ایک ''سہاگن'' نے بڑھ کر دامن تھام لیا اور کہا۔ اے درویش! اورنگ زیب کی مسجد کے پہلو میں یہ قبر تاریخ کا ایک بڑا ہی دردناک صفحہ ہے۔ میں نے کبھی اس قبر پر کسی کو ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ لیکن جب بھی مجھے اس قبر کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میرے آنسو بہہ نکلے ہیں۔ میری ان آنکھوں میں بدلیاں آ گئی ہیں۔ میں نے اس قبر سے ہمیشہ اپنا سہاگ مانگا ہے۔ میرا سہاگ ۱۹ر مارچ کے حادثہ کی نذر ہو گیا تھا۔ میں نے ترک قوم کی دوشیزاؤں کے بین اس قرب و جوار میں منڈلاتے دیکھے ہیں۔ ماؤں نے بیٹوں کی چاہت میں، اس قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر ان کا پتا مانگا ہے۔ اور بہنوں نے بھائیوں کی یاد میں، آنسوؤں کے دیپ جلائے ہیں۔ مسافر! کبھی تو نے میرے سہاگ کی تربت پہ بھی ہاتھ اٹھائے ہیں۔ اور کچھ پتہ ہے وہ تربت کہاں ہے؟ اور کیا اس کو بھی کسی مسجد کا پہلو نصیب ہوا ہے؟

فقیر نے محسوس کیا کہ شہپر جبریل کی پھڑ پھڑاہٹ اسے کچھ کہہ رہی ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو سہاگن کا چہرہ غائب تھا۔ البتہ پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ میں کوئی کہہ رہا تھا۔

الحذر محکوم کی میت سے سو بار الحذر!
اے اسرافیل، اے خدائے کائنات، اے جانِ پاک

شاہی مسجد نے کہا! بھائی! میری رونق بدستور ہے۔ شریعت مجھے کعبہ کی بیٹی اور عبادت مجھے خدا کا گھر کہتی ہے۔ میری سلوں نے بھی شہنشاہوں سے لے کر گداؤں تک کی جبیں سے خراج وصول کیے ہیں۔ لیکن میرا دل مر چکا ہے۔ اس رہ نشیں فقیر کی طرح جس کی گدڑی میں، راہگیر، کھوٹے سکے پھینک جاتے ہیں۔ میرے دامن میں بھی سجدوں کے جھوٹے ٹکڑے ہیں۔ میری دیواروں تک بانگ صلوٰۃ پہنچتے پہنچتے، مشیت ایزدی کے حضور میں، فقیہہ شہر کی چاک دامانی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے، میرے میناروں کی بلندی جھک کر، ضمیر دوراں کی پستی سے ہمکلام ہوتی ہے۔

چساں احوال اورا بر لب آرم
تو می بینی نہان و آشکارم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



زرو داد دو صد سالہ ہمیں بس

کہ دل چوں کندہ قصاب دارم

وہ لوگ اٹھ گئے جن کے سجدوں سے روحِ زمین تھرتھراتی تھی۔ اور وہ ہستیاں ہمیشہ کی نیند سو گئیں، جن کا ایک سجدہ ____ ہزاروں سجدوں سے نجات دلاتا تھا۔

اقبالؒ نے چاہا کہ وہ ان کی گفتگو میں دل چسپی لئے بغیر آگے بڑھ جائے مگر دیوار قلعہ کے اندر سے ایک نحیف سی آواز نے اس کے پاؤں روک لئے غالباً پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کا کوئی خوش گلو نظر بند آزردہ لَے میں گنگنا رہا تھا۔

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی

دل ہر ذرہ میں غوغائے رستہ خیز ہے ساقی

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

یہ کس کافرادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

اقبالؒ نے مسجد میں داخل ہونا چاہا لیکن ____ دُور کی ایک سریلی آواز اُس کے لئے حلقۂ زنجیر پا بن گئی۔ اُس نے مسجد کے سفید گنبد پر نگاہ ڈالی، ایسا معلوم ہوتا تھا' جیسے مسجد کے سر پر کوئی سنہری تاج جگمگا رہا ہے، یا کعبہ کی بیٹی کے ماتھے پر کسی نے فشاں چُن دی ہے، یا یہ گنبد نہیں کسی شب زندہ دار عابد کا رو پہلی تصور منجمد ہو کر مسجد کے افق پر مسکرا رہا ہے۔ بوڑھے دریا کی جانب کے کشادہ حجروں میں در آتی ہوئی چاندنی نے اُن تمام عبارتوں کو اُجال رکھا تھا، جو اِن ننگی دیواروں پر لکھی ہوئی تھیں۔ عجیب وغریب عبارتیں ____!

☆ صوفیہ اور زبیر ____ ہم خدا کے گھر میں ہمیشہ کے لئے ایک ہو جانے کا عہد کرتے ہیں۔

☆ شہناز اور مسعود ____ ہم ماضی سے مستقبل کے لئے ایک دوسرے کے ہیں۔

☆ محمودہ ____ رات جا رہی ہے، ستارے جھلملانے لگے ہیں، چاند ڈوب رہا ہے، کیا تم نہ آ ؤ گی ____؟

☆ میں تمہاری راہ تکتے تکتے تھک گیا ہوں۔ صبح سات بجے سے ایک بجے دوپہر تک' کیا میری تقدیر میں انتظار ہی ہے ___ عزت!

زندگی کے اداس لمحوں میں بے وفا دوست بہت یاد آتے ہیں۔ (توصیف)

اقبالؒ نے تیز تیز قدم اٹھائے اور حضوری دروازہ سے باہر کو نکل گیا۔ اب وہ مملکت خداداد کے بارونق بازار میں تھا ____! چاروں طرف بالاخانوں کے بند کمروں سے گھنگھروؤں کے چھنا کے اور موسیقی کے لہرے پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہے تھے۔ ایک آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا، ادھر ایک خدا رسیدہ بزرگ کی قبر کے قریب ایک بوڑھا تانگے والا ____ خانزادوں کے انتظار میں بار بار بوڑھی ہڈیوں کو ''یا اللہ خیر'' کی ضرب سے کھجلا رہا تھا۔ اقبالؒ سوچتا سوچتا بڑھتا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ مہر و ماہ یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
کسے خبر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود
خیال جادہ و منزل فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سراپا رحیلِ بے مقصود

اقبالؒ نے ایک نوجوان سے پوچھا: ''برخوردار! اس بازار کا نام کیا ہے''؟ اُس نوجوان نے طنزیہ انداز میں کہا: ''بڑے میاں!'' تم کس بازار میں گھوم رہے ہو؟'' ''برخوردار! میں راستہ بھول گیا ہوں'' بڑے میاں! اِس بازار میں وہی لوگ آتے ہیں جو راستہ بھول جاتے ہیں، تو کیا یہ کنچنیوں کا بازار ہے، جی ہاں! یہ کنچنیوں کا بازار ہے' جہاں ہم اور آپ سب لوگ آتے ہیں۔ ''ہم اور آپ ___ یعنی مسلمان'' جی ہاں! فرزندانِ توحید ___ یہ دیکھیے نا! ذرا اس کوچہ کو نکل جایئے ___ اقبالؒ کے شاہین بچے ___ رنگا رنگ فاختاؤں کا شکار کھیل رہے ہیں۔

نوجوان نے دیکھا ___ درویش کی پیشانی پر خطوط سے بنتے اور بگڑتے جا رہے ہیں، نوجوان ٹھہر سا گیا۔ ''تو کیا سوچ رہے ہو بابا'' ! یہ سوچ رہا ہوں، عزیز! کیا اس بازار کی عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی نہیں ہے''؟ جی نہیں! اور بالکل نہیں۔ اس بازار کی عورت تاش کے پتوں کی طرح ہے، جس سے ہر کھلاڑی کھیل سکتا ہے۔ اس بازار کی محبت، سکّوں سے شروع ہوتی ہے، اور سکوں پر ختم ہوتی ہے۔ اس بازار کا تعلق مملکت خداداد کے ایک بڑے شہر سے ضرور ہے، لیکن قانون خداداد سے نہیں ___ اس بازار میں عقد مسنونہ مُلاں نہیں، نائکہ پڑھاتی ہے۔ اس بازار کے باراتی، میراثی ہوتے ہیں۔ یہاں دل کی آواز مدھم اور نفس کی آواز تیز ہوتی ہے۔ اور ایک ہی جسم سے ایک ہی وقت میں باپ، بھائی بیٹا اور پوتا تک لذت یاب ہو سکتے ہیں اور سیاسی مفتی کہتے ہیں۔ اس بازار کی ضرورت بہمہ وجوہ تسلیم کی گئی ہے۔

اقبالؒ اس نوجوان کے ہمراہ ___ بازار کی گہما گہمی میں چلا گیا۔ شہناز زاویئے بنتی ہوئی ناچ رہی تھی۔ اور اُس کے تماشائی ''خداوندانِ مکتب'' فروکش تھے۔ شہناز کا سراپا ایک تاج محل تھا، اس میں ان گنت محبتیں دفن ہو چکی تھیں۔ اس کا وجود سیاسی راہنماؤں کی سیرت سے زیادہ مصفا تھا، وہ رقص تھی، وہ پھول تھی ___ وہ خوشۂ انگور تھی، نغمۂ بے ساز تھی۔ وہ ایک ایسی تلوار تھی، جس کی کاٹ میں شعلے ہوتے ہیں ___ اُس نے ہاتھوں کی قوس کو پھیلاتے ہوئے بول اٹھایا۔

کیا صوفی و ملاّں کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

خداوندانِ مکتب نے ''چاک نہیں ہے'' پر سلطنت خداداد کے نوٹوں کی ایک تھئی نکالی اور اس کے پاؤں میں بکھیرتے ہوئے کہا ___ !

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کیا صوفی و ملّاں کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

کان سے گونجتی ہوئی آواز نے اقبالؒ کا دامنِ سماعت کھینچا____!

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

اقبالؒ نے دیوانہ وار قدم بڑھایا لیکن عقبی دروازے سے ایک اور آواز نے جھانجھنوں سمیت روک لیا۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

اقبالؒ نے اپنی نظریں پھیلا دیں۔ ہر طرف عورتیں ہی عورتیں تھیں، ڈربے ہی ڈربے تھے، ان کا نِک سِک کئی معزز صورتوں سے مشابہ تھا، ان کی شریانوں میں بہت سے خون تھے____

تاجر کا خون، ادیب کا خون، مُلّا کا خون، مرشد کا خون، نواب کا خون، مزدور کا خون، صنّاع کا خون، لیڈر کا خون، باپ کا خون، بھائی کا خون، بیٹے کا خون____ غرضیکہ____ خون ہی خون____

اقبالؒ نے اس نوجوان سے کہا۔ آؤ لوٹ چلیں۔ مجھے اس مملکتِ خداداد کی کسی بستی میں لے چلو، جس کا نقاش اقبالؒ ہے____! اقبال____؟ نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ میں آپ کو اس کے مزار پر لے جا سکتا ہوں۔ آیئے! اقبالؒ، اس نوجوان کے ساتھ قدم ملائے جا رہا تھا۔ آخر دونوں مزار کے پاس رک گئے۔ ''بابا! یہ ہے اقبالؒ کی تُربت____! اور جب اس نے پیچھے مڑ کر بابا کو دیکھا تو بابا غائب تھا۔ نوجوان خوفزدہ ہو گیا۔ لیکن اس نے محسوس کیا، کہ خود قبر بول رہی ہے۔ اس بوڑھے کے لہجے میں____!

''مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے مملکتِ خداداد میں لے چلو۔ جہاں شاہینوں کا بسیرا ہے۔ جہاں ضربِ اللہ سے کون و مکاں کا دل ہلتا ہے، جہاں عورت کھلونا نہیں ماں ہے، جہاں مزدور کی محنت، پسینہ خشک ہونے سے پہلے چکا دی جاتی ہے، جہاں امراء کا وجود محو ہے، جہاں محلوں کی سنگینی، جھونپڑیوں کی پستی پر نہیں ہنستی، جہاں گناہ نہیں بکتا، جہاں انسان کی عزت، حوادث کی چوٹوں سے مجروح نہیں ہوتی۔ اور جہاں____

''عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں''

(ہفت روزہ ''چٹان''۔ لاہور ۲۱ راپریل ۱۹۵۲ء)

© rasailojaraid.com